کروں کہ میں تو آپ کو کتّے سے بھی بدتر سمجھتا ہوں ؛ تو سخت مشکل واقع ہوگی۔ میں تو اپنی نسبت کہونگا اور آپ ممکن ہے کہ اپنی نسبت سمجھ جائیں۔ سب حاضرین یہ لطیفہ سُنکر پھڑک گئے۔ مرزا کا مطلب صرف اس قدر بیان کرنا تھا کہ آپ کو مخاطب کے لئے تو عموماً بولا ہی جاتا ہے ؛ اگر متکلم کے لئے بھی اسکا استعمال ہوگا تو بعض مواقع پر التباس واقع ہوگا۔ اس مطلب کو اُنھوں نے اس لطیف پیرایے میں بیان کیا۔ مگر یہ فقط ایک لطیفہ اہلِ صحبت کے خوش کرنے کے لئے تھا ورنہ اہلِ دہلی بھی اکثر بجائے اپنے تئیں کے آپ کو بولتے ہیں ؛ اسمیں کچھ اہلِ لکھنؤ کی خصوصیت نہیں ہے۔

لطیفہ

زبان کے متعلق مرزا کا اسی قسم کا ایک اور لطیفہ مشہور ہے۔ دلّی میں رتھ کو بعضے مؤنث اور بعض مذکّر بولتے ہیں کسی نے مرزا صاحب سے پوچھا کہ حضرت ! رتھ مؤنث ہے یا مذکّر ؟ آپ نے کہا بھیّا ! جب رتھ میں عورتیں بیٹھی ہوں تو مؤنث کہو اور جب مرد بیٹھیں تو مذکّر سمجھو۔

ملازمت سرکاری سے انکار

تذکرۂ آبحیات میں لکھا ہے کہ ۱۸۴۲ء میں۔ جبکہ دہلی کالج نئے اصول پر قائم کیا گیا۔ مسٹر ٹامسن سکرٹری گورنمنٹ ہند۔ جو آخر کو اضلاع شمال و مغرب میں لفٹنٹ گورنر ہو گئے تھے۔ مدرسین کے امتحان کے لئے دلّی میں آئے۔ اور چاہا کہ جس طرح سو روپیہ ماہوار کا ایک عربی مدرس کالج میں مقرر ہے ؛ اسی طرح ایک فارسی کا مدرس مقرر کیا جائے۔ لوگوں نے مرزا اور مومن خاں اور مولوی امام بخش کا ذکر کیا۔ سب سے پہلے مرزا صاحب کو بلایا گیا۔ مرزا پالکی میں سوار ہو کر صاحب سکرٹری کے ڈیرے پر پہنچے۔ صاحب کو اطلاع ہوئی ؛ انھوں نے فوراً بلا لیا۔ مگر یہ پالکی

سے اُتر کر اس انتظار میں ٹھیرے رہے کہ دستور کے موافق صاحب سکرٹری اُنکے لینے کو آئینگے جب بہت دیر ہوگئی ، اور صاحب کو معلوم ہوا کہ اس سبب سے نہیں آئے ؛ وہ خود باہر چلے آئے اور مرزا سے کہا کہ جب آپ دربارِ گورنری میں تشریف لاوینگے تو آپ کا اُسی طرح استقبال کیا جائیگا لیکن اسوقت آپ نوکری کے لئے آئے ہیں اس موقع پر وہ برتاؤ نہیں ہو سکتا۔ مرزا صاحب نے کہا گورنمنٹ کی ملازمت کا ارادہ اس لئے کیا ہے کہ اعزاز کچھ زیادہ ہو نہ اس لئے کہ موجودہ اعزاز میں بھی فرق آئے۔ صاحب نے کہا ہم قاعدے سے مجبور ہیں۔ مرزا صاحب نے کہا مجکو اس خدمت سے معاف رکھا جائے ؛ اور یہ کہکر چلے آئے۔

مرزا کو شطرنج اور چوسر کھیلنے کی بہت عادت تھی۔ اور چوسر جب کبھی کھیلتے تھے برائے نام کچھ بازی بد کر کھیلا کرتے تھے۔ اسی چوسر کی بدولت ۱۲۶۳ ہجری میں مرزا پر ایک سخت ناگوار واقعہ گذرا۔ مرزا نے خود اس واقعہ کو ایک فارسی خط میں مختصر طور پر بیان کیا ہے جس کا ترجمہ ہم اس مقام پر لکھتے ہیں "کوتوال دشمن تھا اور مجسٹریٹ ناواقف ؛ فتنہ گھات میں تھا اور ستارہ گردش میں۔ باوجودیکہ مجسٹریٹ کوتوال کا حاکم ہے ؛ میرے باب میں وہ کوتوال کا محکوم بن گیا اور میری قید کا حکم صادر کر دیا۔ سشن جج۔ باوجودیکہ میرا دوست تھا اور ہمیشہ مجھسے دوستی اور مہربانی کے برتاؤ برتتا تھا اور اکثر صحبتوں میں بے تکلّفانہ ملتا تھا۔ اُسنے بھی اغماض اور تغافل اختیار کیا۔ صدر میں اپیل کیا گیا مگر کسی نے نہ سُنا اور وہی حکم بحال رہا۔ پھر معلوم نہیں کیا باعث ہوا کہ جب آدھی میعاد گذر گئی تو مجسٹریٹ کو رحم آیا اور صدر میں میری رہائی کی رپورٹ کی اور وہاں سے حکم رہائی کا آگیا اور حکّام صدر نے ایسی رپورٹ بھیجنے پر اُسکی بہت تعریف کی۔ سنا ہے کہ رحم دل حاکموں نے مجسٹریٹ کو بہت نفرین کی اور

میری خاکساری اور آزادہ روی سے اُسکو مطلع کیا؛ یہاں تک کہ اُسنے خود بخود میری رہائی کی رپورٹ بھیجدی۔ اگرچہ میں۔ اِس وجہ سے کہ ہر کام کو خدا کی طرف سے سمجھتا ہوں اور خدا سے لڑا نہیں جاسکتا۔ جو کچھ گذر ائسکے ننگ سے آزاد اور جو کچھ گذرنے والا ہے اُسپر راضی ہوں۔ مگر آرزو کرنا آئینِ عبودیت کے خلاف نہیں ہے۔ میری یہ آرزو ہے کہ اب دنیا میں نہ رہوں؛ اور اگر رہوں تو ہندوستان میں نہ رہوں روم ہے، مصر ہے، ایران ہے، بغداد ہے؛ یہ بھی جانے دو خود کعبہ آزادوں کی جاے پناہ اور استانۂ رحمۃ للعالمین دلدادوں کی تکیہ گاہ ہے۔ دیکھیے وہ وقت کب آئیگا کہ درماندگی کی قید سے جو اِس گذری ہوئی قید سے زیادہ جانفرسا ہے نجات پاؤں اور بغیر اِسکے کہ کوئی منزلِ مقصود قرار دوں سربصحرا نکل جاؤں۔ یہ ہے جو کچھ کہ مجھپر گذرا اور یہ ہے جسکا میں آرزومند ہوں،،

یہ واقعہ مرزا صاحب پر نہایت شاق گذرا تھا۔ اگرچہ منجملہ چھ مہینے کے تین مہینے جو اُنکو قیدخانے میں گذرے اُن کو کسی طرح کی تکلیف نہیں ہوئی؛ وہ بالکل قیدخانے میں اُسی آرام سے رہے جیسے گھر پر رہتے تھے۔ کھانا اور کپڑا اور تمام ضروریات حسبِ دلخواہ گھر سے اُنکو پہونچتی تھیں۔ اُنکے دوست اُن سے ملنے جاتے تھے۔ اور وہ صرف بطور نظربندوں کے جیلخانے کے ایک علحدہ کمرے میں رہتے تھے۔ مگر چونکہ اسوقت تک شہر کے شرفا و اعیان کے ساتھ کبھی اِس قسم کا سلوک مرزا نے نہیں دیکھا تھا اِس لیے وہ اسکو ایک بڑی بے آبروئی کی بات سمجھتے تھے۔ چنانچہ جو ترکیب بند اُنھوں نے قیدخانے میں لکھا تھا اُسمیں کہتے ہیں

رانزدانا غم رسوائی جاوید بلاست	بہر آزار غمم از قیدِ فرنگم نبود
جورِ اعدا ردد از دل برہائی لیکن	طعنِ احباب کم از زخم حسنگم نبود

نواب مصطفےٰ خاں مرحوم نے اُس زمانے میں مرزا کے ساتھ دوستی کا حق پورا پورا ادا کیا۔ اپیل میں جو کچھ صرف ہوا وہ اپنے پاس سے صرف کیا اور تین مہینے تک برابر اُنکی غمخواری اور ہر طرح کی خبرگیری میں مصروف رہے۔ چنانچہ اُسی ترکیب بند میں نواب مرحوم کی نسبت کہتے ہیں۔

خود چرا خوں خورم از غم کہ بغمخواری من	رحمتِ حق بہ لباسِ بشر آمد گوئی
خواجۂ ہست دریں شہر کہ از پرسشِ وے	پایۂ خویشتنم در نظر آمد گوئی

مصطفےٰ خاں۔ کہ دریں واقعہ غمخوارِ منست

گر بمیرم چہ غم از مرگ۔ عزادارِ منست

لطیفہ

جب مرزا قید سے چھوٹ کر آئے تو میاں کالے* صاحب کے مکان میں آکر رہے تھے۔ ایک روز میاں کے پاس بیٹھے تھے؛ کسی نے آکر قید سے چھوٹنے کی مبارکباد دی۔ مرزا نے کہا "کون بھڑوا قید سے چھوٹا ہے؛ پہلے گورے کی قید میں تھا اب کالے کی قید میں ہوں"

مرزا نے قید میں ایک فارسی ترکیب بند اپنے حسبِ حال لکھکر دوستوں کو بھیجا تھا۔ اِس نظم میں کُل سات بند اور ہر بند میں بارہ بارہ شعر ہیں۔ مرزا کے عزیزوں اور دوستوں نے کلیاتِ فارسی میں اِس نظم کو چھپنے نہیں دیا تھا؛ مگر مرزا صاحب نے مرنے سے کسی قدر پہلے اپنی جدید نظم کا ایک مجموعہ موسوم بہ سبدچین شائع کیا تھا؛ اُسمیں اِس ترکیب بند کو بھی شامل کردیا تھا۔ لیکن سبدچین کی زیادہ اشاعت نہیں ہوئی؛ اِس لئے یہ ترکیب بند بہت کم لوگوں کی نظر سے گذرا ہے۔ چونکہ

* حضرت محمد نصیرالدین عرف میاں کالے صاحب بہادر شاہ مرحوم کے پیر اور مولانا فخرالدین قدس سرہٗ کے پوتے تھے۔ مرزا مدت تک اِن کے مکان میں رہے ہیں۔ وہ مرزا سے نہایت محبت رکھتے تھے اور اُنھیں کی تقریب سے قلعے میں تعلق پیدا ہوا تھا ۱۲

یہ ترکیب بند مرزا کی عمدہ ترین حالیہ نظموں میں سے ہے اِسواسطے اُسکے مختلف بندوں میں سے کچھ کچھ شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں

بند اول

خواہم از بند بہ زنداں سخن آغاز کنم — غمِ دل پردہ دری کرد۔ فغاں ساز کنم
بہ نوائے کہ ز مضراب چکاند خوناب — خویشتن را بہ سخن زمزمہ پرداز کنم
چوں سرایم سخن انصاف ز مجرم خواہم — چوں نویسم غزل اندیشہ ز غمّاز کنم
یارِ دیرینہ! قدم رنجہ مفرما کاینجا — آں نہ گنجد کہ تو در کوبی و من باز کنم
اہلِ زنداں بسر و چشمِ خودم جا دادند — تا بدیں صدرنشینی چہ قدر ناز کنم
حلہ دزدانِ گرفتار! وفا نیست بشہر — خویشتن را بہ شما ہمدم و ہمراز کنم

بند دوم

پاسباناں بہم آئید کہ من مے آیم — درِ زنداں بکشائید کہ من مے آیم
ہر کہ دیدے بدرِ خویش سپاسم گفتے — خیر مقدم بسرائید کہ من مے آیم
جادہ نشناسم و زانبوہ تماشی ترسم — راہم از دور نمائید کہ من مے آیم
رہرو جادۂ تسلیم و رشتی نکند — سخت گیرندہ چرائید کہ من مے آیم
ہاں عزیزاں کہ دریں کلبہ اقامت دارید — بخت خود را بستائید کہ من مے آیم
تا بہ دروازۂ زنداں پئے آوردنِ من — قدمے رنجہ نمائید کہ من مے آیم
چوں سخن سنجی و فرزانگی آئینِ من ست — بہرہ از من بربائید کہ من مے آیم

بند چہارم

آنچہ فرداست ہم امروز در آمد گوئی — آفتاب از جہتِ قبلہ بر آمد گوئی
دل دودستے کہ مرا بود فرو ماند ز کار — شب و روزیکہ مرا بود سر آمد گوئی

بہرۂ اہلِ جہاں چوں ز جہاں درد و غم ست — بہرۂ من ز جہاں بیشتر آمد گوئی
خستن و بستنِ من چہ عجب نیست - برو — بر من اینہا ز قضا و قدر آمد گوئی
ہنرم را نتواں کرد بہ خستن ضائع — خستگی غازۂ روئے ہنر آمد گوئی
چرخ یک مردِ گرانمایہ بہ زنداں خواہد — یوسف از قیدِ زلیخا بدر آمد گوئی
ہمدماں! دردِ لم از دیدہ نہانید ہمہ — غالبِ غمزدہ را روح و روانید ہمہ

بند ہفتم

للّٰہ الحمد کہ در عیش و نشاطید ہمہ — للّٰہ الشکر کہ با شوکت و شانید ہمہ
من بخوں خفتہ و بینم ہمہ بینید ہمہ — من جگر خستہ و دانم ہمہ دانید ہمہ
درمیاں ضابطۂ مہر و وفائے بودست — من بریدم کہ ہر آئینہ بر آنید ہمہ
روزے از مہر نگفتید فلانی چوں ست — بارے از لطف بگوئید چہ بانید ہمہ
چارۂ گر نتواں کرد دعائے کافی ست — دل اگر نیست خداوند زبانید ہمہ
ہفت بندست کہ در بند رقم ساختہ ام — بنویسید و بہ بینید و بخوانید ہمہ

آں نہ باشم کہ بہر بزم ز من یاد آرید
دارم امید کہ در بزم سخن یاد آرید

ملنا خطاب

سنہ ۱۲۶۶ھ میں مرحوم ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ نے مرزا کو خطاب نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ اور چھ پارچے کا خلعت مع تین رقوم جواہر یعنی جیغہ و سرپیچ و حمائل مروارید کے - دربار عام میں مرحمت فرمایا اور خاندانِ تیمور کی تاریخ نویسی کی خدمت پر بمشاہرہ پچاس روپیہ ماہوار کے مامور کیا۔ اور یہ قرار پایا کہ احترام الدولہ حکیم احسن اللہ خاں مرحوم مختلف تاریخوں سے مضامین التقاط کرکے مرزا کے حوالے کیا کریں؛

اور مرزا اُن تمام مطالب کو اپنی طرزِ خاص کی فارسی نثر میں بیان کریں۔ اور کتاب دو حصّوں پر تقسیم کی جائے۔ پہلے حصّے میں کچھ مختصر حال ابتدائے آفرینش سے صاحبقران تیمور گورکاں تک، اور کسی قدر مفصّل حالات تیمور سے نصیر الدین ہمایوں کے اخیر زمانے تک بیان کئے جائیں۔ اور دوسرے حصّے میں جلال الدین اکبر بادشاہ سے لیکر سراج الدین بہادر شاہ کے زمانے تک تمام واقعات شرح و بسط کے ساتھ درج کئے جائیں۔ مرزا نے تمام کتاب کا نام **پرتوستاں** اور اسکے پہلے حصّے کا نام **مہرِ نیم روز** اور دوسرے حصّے کا نام **ماہِ نیم ماہ** تجویز کیا تھا۔ اُن کو اپنی دو ترکیبوں پر ناز تھا؛ ایک **ماہِ نیم ماہ** اور دوسرے **رستخیزِ بیجا**†۔ مرزا کہتے تھے کہ چودھویں رات کے چاند کو ماہِ چہاردہ اور ماہِ دو ہفتہ تو پہلے لوگوں نے اکثر باندھا ہے؛ مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے ماہِ نیم ماہ کسی نے نہیں باندھا۔ یہ ترکیب خاص میری تراشی ہوئی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ دوسرا حصّہ یعنی ماہِ نیم ماہ۔ بالکل نہیں لکھا گیا۔ مہرِ نیم روز ختم ہونے کے بعد مرزا نے ذرا آرام لینے کے لئے چند روز توقف کیا تھا اور ارادہ تھا کہ جلد دوسرا حصّہ شروع کریں کہ اتنے میں غدر ہوگیا اور اُس حصّے کا صرف نام ہی نام رہگیا۔

حیدر آباد سے ایک صاحب نے مرزا سے ماہِ نیم ماہ کو طلب کیا تھا اُسکے جواب میں لکھتے ہیں "ماہِ نیم ماہ اسمیست کہ مسمّی ندارد۔ چوں از سرنوشت گردن نتواں پیچید سرگذشت باز گویم ہرگاہ یک نیمہ از پرتوستاں انجام یافت، و مہرِ نیم روز نام یافت، لختے درنگ ورزیدہ شد؛ تا نفس راست کردہ آید۔ ناگاہ کار فرمارا روز فرو رفت، و روزگار سر آمد؛ و دولت دیرینۂ ترکمانانِ قراچاریہ سپری گشت۔ ماہِ نیم ماہ بچوں

† رستخیز بے جا غدر کی تاریخ کا مادہ ہے۔ اس میں رستخیز کے اعداد یعنی ۱۲۷۷ میں سے جا کے عدد یعنی (۴) کا تخرجہ کیا ہے ۱۲

ماہِ بست و ہشت شبہ ناپدیدار، و نامش بعنوانِ بے نشانی در مہرِ نیم روز آشکار۔ ماند"

سنہ ۱۲۷۱ ہجری میں۔ جبکہ شیخ ابراہیم ذوق کا انتقال ہوگیا۔ بادشاہ کے اشعار کی اصلاح بھی مرزا سے متعلق ہوگئی تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ مرزا اس کام کو بادلِ ناخواستہ سرانجام کرتے تھے۔ ناظر حسین مرزا مرحوم کہتے تھے کہ ایک روز میں اور مرزا صاحب دیوانِ عام میں بیٹھے تھے کہ چوبدار آیا اور کہا کہ حضور نے غزلیں مانگی ہیں۔ مرزا نے کہا ذرا ٹھیر جاؤ؛ اور اپنے آدمی سے کہا کہ پالکی میں کچھ کاغذ رومال میں بندھے ہوئے رکھے ہیں وہ لے آؤ۔ وہ فوراً لے آیا۔ مرزا نے جو اُسکو کھولا تو اُسمیں سے آٹھ نو پرچے۔ جن پر ایک ایک دو دو مصرع لکھا ہوا تھا؛ نکالے۔ اور اسی وقت دوات قلم منگوا کر اُن مصرعوں پر غزلیں لکھنی شروع کیں؛ اور وہیں بیٹھے بیٹھے آٹھ یا نو غزلیں تمام و کمال لکھکر چوبدار کے حوالے کیں۔ ناظر مرحوم کہتے تھے کہ ان تمام غزلوں کے لکھنے میں اُن کو اس سے زیادہ دیر نہیں لگی کہ ایک مشّاق اُستاد چند غزلیں صرف کہیں کہیں اصلاح دیکر درست کردے جب چوبدار غزلیں لیکر چلا گیا تو مجھسے کہا کہ حضور کی کبھی کبھی کی فرمائشوں سے آج مدّت کے بعد سبکدوشی ہوئی ہے اگرچہ مرزا صاحب جو کچھ اپنی طرزِ خاص میں لکھتے تھے۔ نظم ہو یا نثر۔ اُسکو بڑی کاوش اور جانکاہی سے سرانجام کرتے تھے؛ چنانچہ خود اُنھوں نے جابجا اسکی تصریح کی ہے؛ مگر جب کبھی اپنی خاص روش پر چلنے کی ضرورت نہوتی تھی اُس وقت اُن کو فکر پر زیادہ زور ڈالنا نہیں پڑتا تھا۔

سنہ ۱۸۶۰ع میں۔ جبکہ نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم کلکتے گئے ہوئے ہیں۔ مولوی محمد عالم مرحوم نے۔ جو کلکتے کے ایک دیرینہ سال فاضل تھے۔ نواب صاحب سے بیان کیا کہ۔ جس زمانے میں مرزا صاحب یہاں آئے ہوئے تھے۔ ایک مجلس میں۔ جہاں مرزا بھی موجود تھے، اور میں بھی حاضر تھا۔ شعرا کا ذکر

ہو رہا تھا۔ اثنائے گفتگو میں ایک صاحب نے فیضی کی بہت تعریف کی۔ مرزا نے کہا "فیضی کو جیسا لوگ سمجھتے ہیں ویسا نہیں ہے"، اسپر بات بڑھی۔ اُس شخص نے کہا فیضی جب پہلی ہی بار اکبر کے روبرو گیا تھا۔ اُسنے ڈھائی سو شعر کا قصیدہ اُسی وقت ارتجالاً کہکر پڑھا تھا۔ مرزا بولے "اب بھی اللہ کے بندے ایسے موجود ہیں کہ دو چار سو نہیں تو دو چار شعر ہر موقع پر بداہتہً کہہ سکتے ہیں"، مخاطب نے جیب میں سے ایک چکنی ڈلی نکال کر ہتیلی پر رکھی اور مرزا سے درخواست کی کہ اس ڈلی پر کچھ ارشاد ہو۔ مرزا نے گیارہ شعر کا قطعہ اُسی وقت موزوں کرکے پڑھ دیا۔ جوکہ اُنکے دیوانِ ریختہ میں موجود ہے۔ اور جسکا پہلا شعر یہ ہے۔

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی — زیب دیتا ہے اِسے جس قدر اچھا کہیے

اولاد

مرزا صاحب کے اولاد کچھ نہ تھی۔ ابتدا میں سات بچے پے در پے ہوئے؛ مگر کوئی زندہ نہیں رہا اس لئے ایک مدت سے وہ اور اُنکی بی بی تنہا زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر غدر سے چند سال پہلے جبکہ اُنکی بی بی کے بھانجے زین العابدین خاں عارف کا انتقال ہوگیا، اور اُنکے دو نو بچے ایک باقر علیخاں اور دوسرے حسین علیخاں صغیر سن رہگئے۔ تو مرزا اور اُنکی بی بی نے چھوٹے لڑکے حسین علیخاں کو جو اُس وقت بہت کم عمر تھا اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ مرزا حسین علیخاں کو حقیقی اولاد سے بھی کچھ بڑھکر عزیز رکھتے تھے اور کبھی آنکھ سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے اور حد سے زیادہ نازبرداری کرتے تھے۔

جب زین العابدین خاں کی والدہ کا انتقال ہوگیا تو حسین علیخاں کے بڑے بھائی باقر علیخاں کو بھی مرزا نے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ یہ دونو خوش فکر اور راہل اور نیکخو اور نہایت شریف مزاج تھے

افسوس ہے کہ مرزا کی وفات کے بعد دونو تھوڑے تھوڑے فاصلے سے جوان عمر میں فوت ہوگئے۔

زین العابدین خاں عارف سے مرزا صاحب کو غایت درجے کا تعلق تھا۔ کچھ تو قرابت کے سبب، اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ وہ نہایت خوش فکر اور معنی یاب طبیعت رکھتے تھے، اور باوجود پُرگوئی کے نہایت خوش گو تھے؛ اُنکو حد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اسی لئے جب وہ جوان عمر میں فوت ہوگئے تو مرزا اور اُنکی بی بی پر سخت حادثہ گذرا۔ مرزا نے اُنکے مرنے پر ایک غزل بطور نوحہ کے لکھی ہے جو نہایت بلیغ اور دردناک ہے۔ چنانچہ اُسکے چند شعر ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستا کوئی دن اور — تنہا گئے کیوں؟ اب ہو تنہا کوئی دن اور
آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں — مانا کہ نہیں آج سے اچھا کوئی دن اور
جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملینگے — کیا خوب! قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور
ہاں اے فلکِ پیر جواں تھا ابھی عارف — کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور
تم ماہِ شبِ چاردہم تھے مرے گھر کے — پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشا کوئی دن اور
تم ایسے کہاں کے تھے کھرے داد و ستد کے — کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور
مجھسے تمھیں نفرت سہی نیر سے لڑائی — بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور
گذری نہ بہرحال یہ مدت خوش و ناخوش؟ — کرنا تھا جواں مرگ! گذارا کوئی دن اور
ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہو غالب! — قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

غدر کے زمانے میں مرزا دلی سے بلکہ گھر سے بھی باہر نہیں نکلے۔ جوہیں بغاوت کا فتنہ اٹھا اُنھوں نے گھر کا دروازہ بند کرلیا، اور گوشۂ تنہائی میں غدر کے حالات لکھنے شروع کئے۔

اگرچہ فتح دہلی کے بعد مہاراج پٹیالہ کی طرف سے حکیم محمود خاں مرحوم اور اُنکے ہمسایوں کے مکان پر- جسمیں ایک مرزا بھی تھے- حفاظت کے لئے پہرہ بیٹھ گیا تھا؛ اِس لئے وہ فتحمند سپاہیوں کی لوٹ کھسوٹ سے محفوظ رہے؛ مگر پھر بھی اُنکو طرح طرح کی کلفتیں اُٹھانی پڑیں۔ مرزا کے چھوٹے بھائی جو تیس برس کی عمر میں دیوانے ہوگئے تھے، اور اخیر دم تک اُسی حالت میں رہے؛ جب مرزا نے دلّی میں سکونت اختیار کی تو اُنکو بھی اپنے ساتھ یہیں لے آئے تھے۔ مرزا کے مکان سے اُنکا مکان تقریباً دو ہزار قدم کے فاصلے پر تھا۔ ایک دربان اور ایک کنیز- کہ دونو عمر رسیدہ تھے- اُنکے پاس رہتے تھے۔ جب دلّی فتح ہوگئی، اور شہر اہلِ دہلی سے خالی ہوگیا، اور رستے بند ہوگئے؛ اُس وقت مرزا بھائی کی طرف سے سخت پریشان رہنے لگے۔ بھائی کے کھانے پینے سونے مرنے اور جینے کی مطلق خبر نہ تھی۔ ایک روز یہ خبر آئی کہ مرزا یوسف کے مکان میں بھی کچھ سپاہی گھس آئے تھے، اور جو کچھ اسباب ملا- لے گئے۔ پھر ایک دن وہی بڈھا دربان جو مرزا یوسف کی ڈیوڑھی پر رہتا تھا یہ خبر لایا کہ پانچ روز سخت تپ میں مبتلا رہکر آج آدھی رات گذرے مرزا یوسف کا انتقال ہوگیا۔

اُس وقت نہ کفن کے لئے کپڑا بازار میں مل سکتا تھا؛ نہ غسّال اور گورکن کا کہیں پتا تھا، نہ شہر سے قبرستان تک جانا ممکن تھا؛ مگر مرزا کے ہمسایوں نے اُنکی بڑی مدد کی۔ پٹیالہ کی فوج کے ایک سپاہی کو- جو حفاظت کے لئے تعینات تھا- اور مرزا کے دو آدمیوں کو ساتھ لیا؛ اور مرزا صاحب کے ہاں سے دو سفید چادریں لیکر مرزا یوسف کے مکان پر پہونچے- اور بعد غسل اور تجہیز و تکفین کے مسجد کے صحن میں- جو مکان کے قریب تھی- دفن کر دیا۔ مرزا نے دستنبو میں اس مقام پر یہ اشعار لکھے ہیں۔

دریغ آں کہ اندر رونگِ *سہ بیست — سہ دہ شادوی سال ناشاد زیست
بخاک بالیں زخشتش نبود — بجز خاک در سرنوشتش نبود
خدایا بریں مردہ بخشائشے — کہ نادیدہ در زیست آسائشے
سروشتے بدلجوئے او فرست — روانش بجاوید مینو فرست

اور بھائی کے مرنے کی تاریخ اِس طرح لکھی ہے،

زسال مرگ ستمدیدہ میرزا یوسف — کہ زیستے بجہاں در- زخویش بیگانہ
یکے در انجمن از من ہمے تپرد ہش کرد — کشیدم آہے وگفتم دریغ دیوانہ

اِسمیں لفظ آہے کا تخرجہ دریغ دیوانہ میں سے کیا ہے۔

ایک روز کچھ گورے مرزا کے مکان میں بھی گھس آئے تھے۔ راجہ کے سپاہیوں نے ہر چند روکا مگر اُنھوں نے کچھ التفات نہیں کیا۔ مرزا دستنبو میں لکھتے ہیں کہ اُنھوں نے اپنی نیک خوئی سے گھر کے اسباب کو بالکل نہیں چھیڑا؛ مگر مجھے، اور دونو بچوں کو، اور دو تین نوکروں کو، مع چند ہمسایوں کے کرنل برون کے روبرو- جو میرے مکان کے قریب حاجی قطب الدین سوداگر کے گھر میں مقیم تھے- لیگئے۔ کرنل برون نے بہت نرمی اور انسانیت سے ہمارا حال پوچھا اور ہمکو رخصت کردیا۔

سنا ہے کہ مرزا جب کرنل برون کے روبرو گئے تو اُسوقت کلاہ پاپاخ اُنکے سر پر تھی۔ اُنھوں نے مرزا کی نئی وضع دیکھکر پوچھا کہ وِل تم مسلمان؟ مرزا نے کہا آدھا۔ کرنل نے کہا اِسکا کیا مطلب؟ مرزا نے کہا "شراب پیتا ہوں؛ سُوّر نہیں کھاتا"، کرنل یہ سنکر ہنسنے لگا۔ پھر مرزا نے وزیر ہند

* سہ بیست یعنی ساٹھ۔ دوسرے مصرع میں سہ دہ سے مراد تیس ہے۔

کی چٹھی - جو ملکۂ معظمہ کے مدحیہ قصیدے کی رسید اور جواب میں آئی تھی - دکھائی۔ کرنیل نے کہا تم سرکار کی فتح کے بعد پہاڑی پر کیوں نہ حاضر ہوئے ؟ مرزا نے کہا "میں چار کہاروں کا افسر تھا؛ وہ چاروں مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے ؛ میں کیونکر حاضر ہوتا ؟ کرنیل نے نہایت مہربانی سے مرزا اور اُنکے تمام ساتھیوں کو رخصت کر دیا۔

اِس مقام پر مرزا اپنی کتاب دستنبو میں لکھتے ہیں کہ "سچ بات کا چھپانا آزادوں کا کام نہیں ہے۔ میں آدھا مسلمان کہ جس طرح قیدِ کیش و ملت سے آزاد ہوں اِسی طرح بدنامی اور رسوائی کے خوف سے وارستہ ہوں - میری مدت سے یہ عادت تھی کہ رات کو فرنچ* کے سوا کچھ کھاتا پیتا نہ تھا؛ اور اگر وہ نہ ملتی تھی تو مجھکو نیند نہ آتی تھی۔ اگرچہ المزد، خدا دوست، خدا شناس، دریادل مہیش داس ہندوستانی شراب - جو رنگ میں فرنچ سے مشابہ، اور بُو میں اُس سے بہتر تھی - مجھے نہ بھیجتا تو میں ہرگز جاں بر نہ ہوتا۔ اِسکے بعد یہ رباعی لکھی ہے

رباعی

انددہ دلم وایہ زہر در می جُست — از بادۂ ناب یک دو ساغر می جُست

فرزانہ مہیش داس بخشید بمن — آبے کہ برائے خود سکندر می جُست

یعنی آبِ حیواں

چونکہ اُس وقت مسلمانوں سے شہر خالی ہو گیا تھا مرزا کے ہندو دوستوں کے سوا - جو اُنکے پاس برابر آتے رہتے تھے، اور ہر طرح سے اُنکی غمخواری کرتے تھے - کوئی اُن کا غمخوار نہیں رہا تھا۔ مرزا کی معاش کے صرف دو ذریعے تھے؛ سرکاری پنشن، اور قلعے کی تنخواہ؛ سو یہ دونو ذریعے مسدود

* فرنچ وہ چیز جو فرانس سے منسوب ہو اور یہاں اُس سے فرانس کی شراب مراد ہے۔

ہو گئے تھے۔ شہر کے تمام مسلمان عمائد - جو مرزا کے دوست اور عزیز تھے - اپنی اپنی حالت میں گرفتار تھے۔ اِسکے سوا گھر میں جس قدر بی بی کے پاس زیور یا کوئی اور قیمتی چیز تھی؛ جب شہر لُٹنے لگا - تو وہ دوسری جگہ گاڑنے واسطے کے لیئے بھیج دیا؛ جہاں سے فتحمند سپاہ نے کھود کر سب نکال لیا۔ مگر مرزا نے اِس تنگی و عسرت کی حالت میں بھی اپنے متعدد نوکروں میں سے کسی کو جواب نہیں دیا، اور جو حالت آپ پر اور اُنکے متعلقین پر خوش و ناخوش گذری اُسمیں نوکر بھی برابر شریک رہے۔ نوکروں کے علاوہ جن لوگوں کے ساتھ مرزا امن کے زمانے میں ہمیشہ سلوک کرتے تھے وہ اِس حالت میں بھی مرزا کو ستاتے تھے اور چار و ناچار اُنکی بھی مرزا کو خبر لینی پڑتی تھی۔ مرزا لکھتے ہیں کہ "اِس ناداری کے زمانے میں جس قدر کپڑا، اوڑھنا، اور بچھونا گھر میں تھا سب بیچ بیچ کر کھا گیا گویا اور لوگ روٹی کھاتے تھے اور میں کپڑا کھاتا تھا" اِسکے بعد کتاب کو اِس طرح ختم کرتے ہیں کہ "اِس بازیچۂ اطفال - یعنی کتاب دستنبو - کے لکھنے میں کب تک خامہ فرسائی کیجائے ؟ جو حالت کہ اِس وقت درپیش ہے ظاہر ہے؛ کہ اُسکا انجام یا موت ہے، یا بھیک مانگنا۔ پہلی صورت میں یقیناً یہ داستان ناتمام رہنے والی ہے، اور دوسری صورت میں نتیجہ اِسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے ؟ کہ کسی دکان سے دھتکارے گئے، اور کسی دروازے سے کوڑی پیسا کچھ مل گیا۔ پس اپنی ذلت و رسوائی کے سوا اب اُسمیں لکھنے کو کچھ باقی نہیں رہا۔ قدیم پنشن اگر مل بھی گئی تو بھی کام چلتا نظر نہیں آتا؛ اور نہ ملی تو تو کام ہی تمام ہے۔ مشکل یہ ہے کہ دونو صورتوں میں - چونکہ اِس شہر کی آب و ہوا اب خستہ دلوں کو راس آتی معلوم نہیں ہوتی - ضرور شہر چھوڑنا اور کسی اور بستی میں جا کر بسر کرنا پڑیگا"

غدر کے بعد دو برس تک مرزا کا یہی حال رہا۔ مگر دو برس بعد نواب یوسف علیخاں مرحوم رئیس رامپور

نے سو روپیہ ماہوار ہمیشہ کے لئے مرزا کے واسطے مقرر کردیا۔ جو نواب کلب علی خاں مرحوم نے
بھی بدستور مرزا کے اخیر دم تک جاری رکھا۔ اور غدر سے تین برس بعد جب مرزا ہر ایک الزام
سے بری ثابت ہوئے سرکاری پنشن بھی جاری ہوگئی۔

جب نواب یوسف علیخاں کا انتقال ہوگیا اور مرزا تعزیت کے لئے رام پور گئے چند روز بعد لطیفہ
نواب کلب علیخاں مرحوم کا نواب لفٹنٹ گورنر سے ملنے کو بریلی جانا ہوا آپکی روانگی کے وقت مرزا بھی موجود
تھے چلتے وقت نوابصاحب نے معمولی طور پر مرزا صاحب سے کہا "خدا کے سپرد" مرزا نے کہا حضرت۔
خدا نے تو مجھے آپکے سپرد کیا ہے آپ پھر اُلٹا مجھکو خدا کے سپرد کرتے ہیں"

جب مرزا دستنبو کو ختم کرچکے، اور اب بھی تنہائی اور سناٹے کا وہی عالم رہا، اس وقت سوا اسکے قاطع
اور کیا چارہ تھا کہ دوات اور قلم کو مونس اور رفیق سمجھیں، اور کچھ لکھ پڑھکر اپنا غم غلط کریں۔ اور دل بہلائیں برہان
مرزا پاس اس وقت سوائے برہان قاطع اور دساتیر کے کوئی کتاب موجود نہ تھی۔ برہان کو اُٹھا کر
سرسری نظر سے دیکھنا شروع کیا۔ پہلی ہی نگاہ میں کچھ بے ربطیاں سی معلوم ہوئیں۔ پھر زیادہ غور سے
دیکھا تو اکثر لغات کی تعریف غلط پائی۔ ایک ایک لفظ متعدد فصلوں میں مختلف صورتوں سے لکھا دیکھا۔ شعرا
نے جو الفاظ بطور مجاز و کنایہ کے استعمال کئے ہیں ان کا ذکر بطور مستقل لغات کے دیکھا۔ طریقۂ بیان اکثر
بھونڈا اور اصولِ لغت نگاری کے خلاف پایا۔ بہت سے لغات کی ایسی تفسیر بھی دیکھی جسکے معنی بالکل
سمجھ میں نہ آئے۔ مرزا نے یادداشت کے طور پر جو مقام قابلِ اعتراض نظر آئے اُنکو ضبط کرنا شروع
کیا۔ شدہ شدہ وہ ایک کتاب بن گئی۔ جسکا نام قاطع برہان رکھا گیا، اور ۱۲۷۶ء میں چھپ کر
شائع ہوگئی۔ پھر مرزا نے ۱۲۸۲ء میں باضافۂ دیگر مضامین و فوائد اُسکو دوسری بار چھپوایا اور اُسکا

نام درفش کاویانی رکھا۔
یہاں دو چار مثالیں اُن الفاظ کی درج مناسب معلوم ہوتی ہیں جن پر مرزا نے صاحب برہان کا
تخطیہ کیا ہے۔ مثلاً صاحب برہان نے عنبر ارزاں کے معنی گیسوے رسول مقبول کے لکھے ہیں؛ اور پھر
کہتا ہے کہ اُسکو عنبر لرزاں بھی کہتے ہیں۔ مرزا۔ صاحب برہان کی غلطی کا منشا یہ بتاتے ہیں کہ اُسنے
نظامی کا یہ شعر دیکھا ہے جو نعت میں ہے "موے کزاں عنبر لرزاں دہی * گرد دو عالم وہی ارزاں وہی *
پس عنبر لرزاں میں استعارہ کو اصلی لغت قرار دیا اور دوسرے مصرع میں ارزاں کے موقع اور محل
کو بالکل نہیں سمجھا اور آنحضرتؐ کی زلف عنبر بوجہ دو نو جہان کے بدلے میں بھی ارزاں ہو اُسکا نام عنبر ارزاں
رکھدیا یا مثلاً برہان میں لکھا ہے "قافلہ شد بمعنی قافلہ رفت یعنی قافلہ سالار رفت کہ کنایہ از فوت شدن
پیغمبر باشد،" اوّل تو قافلہ شد کو ایک لغت قرار دینا ہی بے معنی ہے پھر اُسکے معنی قافلہ سالار رفت کہنا
اور قافلہ سالار کے جانے سے وفات سرورِ کائنات مراد لینا غلط در غلط اور خبط در خبط ہے مرزا غلطی کا منشا
مولانا نظامی کے اِس شعر کو بتاتے ہیں "قافلہ شد وا پسیِ ما ببیں * اے کسِ ما بیکسیِ ما ببیں *
یہ شعر مخزنِ اسرار کی مناجات میں واقع ہوا ہے مگر مرزا نے سہو سے اسکو جامی کی طرف منسوب کیا ہے شعر کا
مطلب یہ ہے کہ ہمارے دوست اور رفیق اور ساتھی سب چل دیے اب تیرے سوا کوئی ہمارا یار و مددگار نہیں
ہے یا مثلاً صاحب برہاں لکھتا ہے کہ "ششش ضرب نتیجہ خوب کنایہ از گوہر و زر باشد و کنایہ از نیشکر
و کنایہ از شکر و عسل و اقسامِ میوہ ہا ہم ہست و بحذفِ ضرب ہم بنظر آمدہ کہ ششش نتیجہ خوب باشد،" مرزا نے
جو اسکا خاکا اُڑایا ہے وہ طول طویل ہے خلاصہ یہ ہے کہ اِس مرکب اور بے معنی جملے کو لغت قرار دینا
صاحب برہاں ہی کا کام ہے اور اِس طرح کے صدہا الفاظ ہیں جن پر مرزا نے گرفت کی ہے اور طرح طرح